۱–۲

سہ ماہی حرفِ نیم گفتہ لاہور

اکتوبر ۲۰۲۱ء — جنوری ۲۰۲۲ء



مدیر:
کاشف علی خان شیروانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

شمارہ نمبر ۱-۲ – اکتوبر ۲۰۲۱ء، جنوری ۲۰۲۲ء

حرف و حکایت | مدیر | ۳

فکر غامدی سے اعلان رجوع | کاشف علی خان شیروانی | ۷

جاوید غامدی کے دینی انحرافات سے رجوع | طارق محمود ہاشمی | ۱۱

سبعہ احرف کی روایت پر منکرینِ حدیث کے اعتراضات: جاوید غامدی کے موقف کا جائزہ | طارق محمود ہاشمی | ۱۹

صداقت اور منہج: مقدمہ | ہانز گیورگ غادامیر، ترجمہ: نادر عقیل انصاری | ۵۷

غزل | سید طاہر رضا زیدی | ۶۴

تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو: نعیم بلوچ کے سرقے کا جائزہ | طارق محمود ہاشمی | ۶۵

ایمے سیزیئر سے ایک ملاقات | فیلیسیا سمتھ، ترجمہ: کاشف علی خان شیروانی | ۸۷

اکبر الٰہ آبادی، نوآبادیاتی نظام اور عہد حاضر | شمس الرحمان فاروقی | ۹۳

اعجاز القرآن | علامہ ابوسلیمان خطابیؒ، ترجمہ: نادر عقیل انصاری | ۱۰۷

حرف نیم گفتہ لاہور

مدیر: کاشف علی خان شیروانی

نائب مدیر: طارق محمود ہاشمی

کاشف علی خان شیروانی، مدیر ”حرف نیم گفتہ“، نے الائیڈ پرنٹرز، ۲۶ مال روڈ، لاہور، سے چھپوا کر ۸۰-سی، مسلم نگر، رائیونڈ روڈ، لاہور، سے شائع کیا۔

قیمت شمارہ ھٰذا: ۴۰۰ روپے (مع اضافی زرِ ترسیل)
قیمت سالانہ (۴ شمارے): ۱۵۰۰ روپے

ملنے کا پتہ

ہاؤس نمبر ۸۰، بلاک -سی، مسلم نگر ہاؤسنگ سوسائٹی
رائیونڈ روڈ، لاہور، پاکستان، پوسٹ کوڈ: ۵۳۷۰۰

برائے رابطہ:

0333-4430507

ایمے سیزئیر سے ایک ملاقات

فیلیسا سمتھ

ترجمہ: کاشف علی خان شیروانی

ایمے سیزئیر (سنہ ۱۹۱۳ تا ۲۰۰۸ء) کا تعلق جزائر غرب الہند کے ایک جزیرے مارتینیک سے تھا۔ یہ جزیرہ فرانس کی نوآبادی تھا۔مارتینیک اور دیگر جزائر غرب الہند کی مقامی آبادی استعمار کی بے رحمانہ پالیسی کے نتیجے میں معدومیت کے خطرے میں تھی اور استعمار نے یہاں گنے کی بھاری پیداوار حاصل کرنے کے لئے افریقہ سے بڑے پیمانے پر سیاہ فام غلاموں کو منتقل کیا تھا۔ ان غلاموں کی زبان اور کلچر ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہ لوگ مجبور تھے کہ مستعمِر کی زبان اور تہذیب ہی کو اختیار کریں۔ اصل المیہ یہ ہے کہ استعمار نے ان پر ایک اجنبی تہذیب کو مسلط کیا اور ان کی سماجی اور سیاسی حیثیت متعین کر دی، جسے بدلنے کا ان کے پاس کوئی راستہ نہ تھا۔ چنانچہ شناخت کے ایک بڑے بحران نے جنم لیا۔ شناخت کے اس شدید بحران کے جلو میں ایمے سیزئیر مارتینیک کے ایک گاؤں باس پوانت میں سنہ ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوا۔سیزئیر ایک ذہین طالب علم تھا۔ اس کی ذہانت کے پیش نظر اسے فرانسیسی استعمار کے میٹروپول، پیرس میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ مستعمَرین کی محدود پیمانے پر تعلیم سے استعمار کا مقصد یہ تھا کہ نوآبادیات میں ایک comprador اشرافیہ پیدا کی جائے، مگر ایمے سیزئیر پر اس کا الٹا اثر ہوا۔قیامِ پیرس کے دوران اس کے ہاں مستعمِرین کے بالمقابل اپنی کمتر سیاسی و سماجی حیثیت اور اپنی شناخت سے محرومی کا احساس مزید گہرا ہو گیا۔اس احساس نے سیزئیر کو استعمار کے تجزیے اور اپنی شناخت کی بازیابی کی طرف متوجہ کیا اور یوں ایک عظیم استعمار مخالف دانشور کا جنم ہوا۔

ایمے سیزئیر نے اظہارِ ذات کے لئے نثر، شاعری، اور ڈرامہ جیسی اصناف ادب کو اختیار کیا۔

اس کی اہم ترین کتب میں ''بیاض: عود الی الوطن'' اور ''استعمار پر ایک گفتمان'' شامل ہیں۔ ''استعمار پر ایک گفتمان'' دراصل استعمار کے خلاف مزاحمت کے لیے نظریاتی اساس فراہم کرنے کی کوشش ہے،جبکہ ''بیاض'' استعماری شناخت کو مسترد کر کے اپنی افریقی شناخت کی بازیافت کی کاوش ہے۔ سیزئیر کا اہم ترین کام استعمار کے خلاف نظریاتی تنقید کو پیش کرنا ہے۔ استعمار کا دعویٰ ہے کہ اس نے دنیا کی وحشی اقوام کو جمہوریت، انسانی حقوق، مذہبی تنگ نظری اور توہم پرستی سے ''آزادی''،اور مردوزن کی مساوات وغیرہ جیسی ''اعلیٰ'' انسانی اقدار سے روشناس کرایا۔ ٹیکنالوجی منتقل کی اور ان معاشروں میں صنعتی اور نتیجتاً معاشرتی ''ترقی'' کی بنیاد رکھی۔ ان کے علاقوں میں ایسی حکومتیں قائم کیں جن سےان علاقوں میں بسنے والے مذہبی ونسلی گروہوں میں''امن'' قائم ہو گیا۔ اس طرح یہ وحشی اقوام آہستہ آہستہ تہذیب و تمدن سے واقف ہوئیں! استعمار کے خیال میں نسلی تنزل کا شکار یہ اقوام کبھی اعلیٰ انسانی منازل طے نہیں کرسکتیں، چنانچہ انہیں ہمیشہ مہربان گورے آقاؤں کی ضرورت رہے گی جو نہ صرف ان اقوام کو تہذیب و تمدن کے دائرے میں رکھ سکیں بلکہ ان کے علاقوں کے قدرتی وسائل کا بھی بہترین استعمال کرسکیں! سیزئیر کی بڑائی یہ ہے کہ وہ اُن ابتدائی دانشوروں میں سے ہے جنہوں نے استعماری بیانئے کی اس نظریاتی بنیاد کو الٹ دیا۔

سیزئیر بتاتا ہے کہ استعماری پراجیکٹ قوموں کو مہذب بنانے کی بجائے ان کی زبان اور تہذیب و تمدن کو برباد کر کے انہیں وحشی اور مفلس بنانے کا منصوبہ ہے۔ بیسویں صدی کے نصف کے قریب استعمار کے نظریے پر کام کرنے والے دیگر مصنفین کی طرح، سیزئیر نے ثابت کیا ہےکہ استعمار نے مستعمَراقوام کے انسانی اور قدرتی وَسائل کو بری طرح لوٹا کھسوٹا۔ نتیجتاً دوسری جنگِ عظیم کے بعد مستعمَراقوام تعلیمی و معاشی میدان میں انحطاط کی پست ترین سطح پر تھیں۔ تاہم سیزئیر کے کام کا امتیاز اولاً اس بات کو نئے دلائل کے ساتھ موکد کرنا ہے کہ استعمار ان غلام قوموں میں اعلی انسانی اقدار تو کیا پیدا کرتا، اس نے ان اقوام میں جبن، سرافگندگی، انفعالیت، دغا بازی، خوشامد، اور لالچ جیسے رزائل کو فروغ دیا۔ استعمار نے ان اقوال میں ایسے ناقابل حل نسلی، لسانی، اور مذہبی تضادات پیدا کئے کہ ما قبل استعمار میں سادگی اور اخوت کی بنیاد پر قائم یہ معاشرے ایک نا ختم ہونے والے تشدد کی نذر ہو گئے۔ ثانیاً، سیزئیرنے استعماری ذہن کے خود مستعمِر اقوام پر ہونے والے اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ سیزئیر لکھتا ہے کہ استعمار نے نہ صرف مستعمَر اقوام کو تہذیب و تمدن سے تہی دامن کیا بلکہ اس استعماری عمل کے دوران خود مستعمِر کی بھی انسانیت اور تہذیب

اس سے جاتی رہی۔ استعمار، گویا، ایک دو دھاری تلوار ہے جو تلوار چلانے والے اور اس کے مقابل کو بیک وقت گھائل کرتی ہے۔ چنانچہ مغربی معاشروں میں نازی ازم اور فاشزم جیسے نظریات کا عروج ہوا جنہوں نے افریقی و ایشیائی اقوام کو غلام رکھنے والے نسلی تفاخر کا استعمال اپنے معاشروں میں کر دیا۔ نتیجتاً مغربی معاشرے اپنی تاریخ کی بدترین جنگوں اور نسلی تشدد کا نشانہ بنے۔ سیزئیر مستعمَر اقوام کو خبردار کرتا ہے کہ وہ یورپی تسلط سے آزادی کے لئے اس وقت کی ابھرتی ہوئی طاقت امریکہ کی طرف نہ دیکھیں۔ سیزئیر کے خیال میں امریکہ بربریت، لوٹ مار، اور نسلی و مذہبی نفرت پھیلانے میں نہ صرف یورپی استعمار کا وارث ہو گا بلکہ اسے بھی مات دے دے گا۔ تاریخ کی گواہی یہی ہے کہ سیزئیر کے خدشات بالکل درست ثابت ہوئے۔ زیرنظر مضمون اسی عظیم دانشور کی شخصیت کے بارے میں ایک تاثراتی تحریر ہے، جو بتاتی ہے کہ بدترین استعماری تجربے کے باوجود سیزئیر نے اپنی شخصیت کے بھولپن اور انسانی خوبیوں کو زائل نہیں ہونے دیا۔

*

۹ر جنوری، سنہ ۲۰۰۸ء کی بات ہے۔ اس دن مجھے ”سیاہ فام تفاخر کے نظریے“[۱] کے بانیوں میں سے ایک، ایمے سیزئیر (Aimé Césaire) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ سیزئیر نے، لیوپولڈ سیدار ساں گور (Léopold Sédar Senghor) اور لیوں گونتراں دماس (Léon-Gontran Damas) کے ساتھ مل کر، ایک پان افریقی تحریک چلائی تھی، جس کی ابتدا سنہ ۱۹۳۵ء میں اس وقت ہوئی جب انہوں نے جریدہ ”سیاہ فام طلباء“ جاری کیا، اور پھر سنہ ۱۹۳۹ء میں سیزئیر کا شعری مجموعہ ”بیاض: عود الی الوطن“ شائع ہوا۔

بلدیہ کی پرانی عمارت کی تلاش میں، جب میں مارتینیک شہر کے مرکزی حصے، فورٹ دا فرانس،

۱۔ یعنی : Negritude۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ابھرنے والے اس فلسفیانہ اور سیاسی نظریے کا مرکزی موضوع سیاہ فام افریقہ پر استعماری تاخت کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال تھی۔ اس مکتب فکر کی رائے میں افریقہ کے سیاہ فام ایک اکائی ہیں، اور ایک مخصوص اجتماعی شناخت کے حامل ہیں۔ ان کی طویل تہذیبی تاریخ ہے، اور ایک امتیازی ثقافت ہے۔ ان کے ادب کے اپنے تنقیدی اور جمالیاتی معیارات ہیں، لہذا انہیں مغرب سے مستعار لئے گئے معیارات کی بجائے اپنے معیارات ہی پر پرکھا جانا چاہئے۔ ساں گور کے الفاظ میں Negritude افریقی دنیا کی اقدار کے مجموعے کا نام ہے۔ سیاہ فام شخصیت کی ندرت اور مرکزیت پر زور دینے سے اس نظریے میں نسلی تفاخر اور مقامیت پسندی (Nativism) کے تصورات بھی گھل مل گئے تھے۔

کی گرم سیر گلیوں سے گزر رہی تھی تو میں لمحے بھر کو رُکی اور کریبین کی ہوا میں دانستہ ایک سانس لیا۔ گرم اور مرطوب ہوا میں ایک خوشگوار سی مہک تھی، جو آپ کو پینسلوانیا کے سٹیٹ کالج میں موسم سرما کی یخ بستہ ہواؤں سے دور کسی دنیا ہی میں نصیب ہوسکتی تھی۔ [چلتے چلتے] جب میں نے خود کو بلدیہ کی جدید عمارت کے سامنے پایا تو اس کے عقب کی طرف بڑھی۔ یہاں جگہ جگہ سے جھڑتے سفید رنگ میں لپٹا، اور ائیر کنڈیشنر جیسے تکلفات سے آزاد، ایک ڈھانچہ کھڑا تھا۔ یہاں ایمے سیزئیر نے اپنا دفتر قائم کر رکھا تھا، بلدیہ کی جدید عمارتوں میں نقل مکانی کے [رجحان کے] خلاف ایک موقف کے اظہار کے لیے! انھی احساسات کے جلو میں مجھے ایمے سیزئیر کی نظم ”تیسری دنیا کو سلام“ کی چند سطریں یاد آئیں:

سنو:

دُور میرے جزیرے سے
میرے چوکس و ہوشیار جزیرے سے
میں تمھیں پکارتا ہوں:
ہُو!

نو بج کر پچاس منٹ پر، ملاقات سے دس منٹ پہلے، میں عمارت میں داخل ہوئی اور خم کھاتی سیڑھیوں سے دوسری منزل پر آ گئی۔ سیزئیر کا دفتر چوبی دستکاری اور روغنی رنگوں کی مصوری کے آرٹ کے عمدہ نمونوں سے سجا ہوا تھا۔ استقبالیے پر میں نے ٹھہر ٹھہر کر انگریزی لہجے سے بوجھل فرانسیسی زبان میں کہا: ”میری ملاقات دس بجے مقرر ہے“۔ میں نے رجسٹر پر اپنا پورا نام، پیشہ، اور ملاقات کی وجوہات لکھیں۔ استقبالیے پر موجود کلرک رجسٹر لے کر عقبی کمرے میں چلی گئی۔ واپسی پر کلرک نے مجھے اور میرے مارتینیک منگیتر، تھَیری، کو اپنے پیچھے پیچھے اسی کمرے میں آنے کو کہا۔

دروازہ کھلتے ہی ایمے سیزئیر سے میرے بے مثل مواجہے کا آغاز ہوا۔ شاہ بلوط کی لکڑی سے بنی ایک بڑی میز کے عقب میں مجھے ایمے سیزئیر نظر آئے۔ گٹھا ہوا جسم، آنکھوں کو بھانے والا سیاہی مائل رنگ، اور روشن آنکھیں۔ انہوں نے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ اس دوران اُن کے ذاتی معاون نے ہمیں ان کے برابر بیٹھنے کو کہا۔ میں حیران رہ گئی! دل ہی دل میں نے معاون سے پوچھا، کیا واقعی؟ کیا واقعی اس نے مجھے سیزئیر کے پہلو میں بیٹھنے کو کہا ہے! تاہم میں نے خاموش رہنے کو ترجیح دی اور نہایت اشتیاق کے ساتھ، ایمے سیزئیر کے برابر بیٹھ گئی۔ اگلے پینتالیس منٹ کے دوران، جو میں نے ایمے سیزئیر کے ساتھ گزارے، میں مسلسل مسکراتی رہی۔ جب ایمے سیزئیر کو معلوم ہُوا کہ میں بھی شاعر ہوں تو انہوں نے مجھے اپنی کوئی نظم سنانے کو کہا۔ تھَیری کی ترجمانی کے ذریعے سیزئیر نے میری نظم بڑے غور سے سنی اور پھر بات چیت شروع ہوئی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہنے والی

اس ملاقات کے دوران، مَیں نے سیزئیر کو بتایا کہ میری طرح دیگر کالج طلبہ اب علانیہ افریقی-امریکی تاریخ وادب اور سیاہ فام تارکین وطن کے بارے میں کورس پڑھ سکتے ہیں۔انہوں نے ایک سے زائد بار پوچھا "اس کے لئے رقم کہاں سے آتی ہے؟" ایسے سیزئیر کے لئے یہ ماننا مشکل ہو رہا تھا کہ ایک اکثریتی سفید فام ملک بھی سیاہ فام ادب کی تعلیم و تدریس پر رقم خرچ کرسکتا ہے۔[۲] اُن کے لئے یہ بات بھی اتنی ہی حیران کن تھی کہ ان کی تحریریں آج بھی تعلیمی اداروں، فورم، اور کانفرنسوں میں وسیع پیمانے پر پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ سنتے ہی اُنہوں نے پلٹ کرغور سے میری آنکھوں میں جھانکا۔اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے اپنے چہرے کے تاثرات کو پوری طرح سے بروئے کار لاتے ہوئے، میں نے اثبات میں سر ہلایا، اور مجھے بڑا اچنبھا ہوا جب انہوں نے انگریزی میں کہا، "تم لوگوں کو فرانسیسی زبان سیکھنی چاہیے"! اس پر کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔ ادھر میں فرانسیسی میں اپنے محدود ذخیرۂ الفاظ کو جوڑ جوڑ کر اپنی گفتگو میں ارتباط پیدا کر رہی تھی، اور ادھر وہ نہ صرف انگریزی سمجھ سکتے تھے بلکہ اس میں گفتگو بھی کر سکتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ مذاق مجھ ہی پر چست کیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے انگریزی میں بات شروع کی اور مجھے بتایا کہ انہوں نے نوجوانی میں، سکول کے دنوں ہی میں انگریزی زبان سیکھ لی تھی۔سیزئیر نے کہا کہ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ امریکیوں نے دیگر زبانیں نہیں سیکھیں۔ لگے ہاتھوں انہوں نے مجھے فرانسیسی اور ہسپانوی زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کی تلقین کی، اور واضح کیا کہ ان تین زبانوں کی تکون مجھے اس قابل بنادے گی کہ میں دنیا بھر میں پھیلی سیاہ فام اکثریت سے ہم کلام ہوسکوں۔

سیزئیر نے بڑی چاہت سے اپنی کتاب "استعمار کے بارے میں گفتمان" کے نسخے پر آٹو گراف دینے کی حامی بھری۔ اگرچہ انہیں آٹو گراف دینے میں، اپنے معاون اور بیٹے کی مدد کے باوجود، تقریباً

۲۔ عین ممکن ہے کہ سیزئیر کی حیرت مصنوعی ہو کیونکہ دوسری قوموں اور نسلی و لسانی گروہوں کے مطالعات اس دور میں بھی مغرب میں عام تھے جب ایسے سیزئیر پیرس میں طالب علم تھا۔ شاید وہ اپنے مہمان کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہو، کہ مغرب میں مستعمَر قوموں کا مطالعہ علم کی ترویج کی بجائے ان کو کنٹرول کرنے اور ان کی تہذیب و ثقافت کو استعماری کلچر میں جذب کر لینے (assimilation) کے لیے استعمال ہوتا رہا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے لئے بھاری رقوم مختص کی جاتی ہیں۔ جب مصنفہ تعلیم کی فنڈنگ سے متعلق اس کے سوال کو نہ سمجھی تو اس نے گفتگو کا موضوع بدل دیا۔ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ سیزئیر یوروپی معاشروں اور اداروں سے تو واقف تھا کیونکہ وہ پیرس میں مقیم رہا تھا مگر اسے امریکی اداروں کے بارے میں براہ راست معلومات نہیں تھیں۔ اس لئے یہ امکان بھی موجود ہے کہ سیزئیر کو یہ سن کی ایک خوش گوار حیرت ہوئی ہو کہ امریکہ میں پس استعمار معاشروں کی تاریخ، ادب، زبان، اور ان پر ہونے والی استعماری تاخت کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔

دس منٹ لگے لیکن انہوں نے بڑے فخر اور احتیاط سے کتاب پر حوصلہ افزائی کے کلمات اور اپنے دستخط ثبت کئے:

> ہم ایک چھوٹا ساجزیرہ ہیں، مگر دل بڑا رکھتے ہیں۔ یہاں اپنے قیام سے لطف اندوز ہوں اور دوبارہ تشریف لایئے۔ ایمے سیزئیر۔

پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنی ڈیسک سے باہر نکلے، میرا ہاتھ تھاما اور ہم ان کے دفتر سے نکل کر واپس استقبالیے میں آ گئے۔میں نے ایمے سیزئیر کو اپنے ساتھ امریکہ چلنے کو کہا۔ انہوں نے (انگریزی میں) جواب دیا، "اب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں"۔ ہم ہنسنے لگے۔ اپنی ملاقات کے آخری لمحات میں ہم نے اکٹھے تصویریں کھینچیں اور ایک دوسرے کو الوداع کہا۔ میں نے وقت دینے پر شکریہ ادا کیا اور سیڑھیوں سے نیچے اتری۔ جب میں بلدیہ کی پرانی عمارت سے نکل رہی تھی تو جہاں میں اپنے پیچھے ایک عظیم آدمی اورعمدہ ملاقات چھوڑ آئی تھی وہیں یہ جان کرمسکرا بھی رہی تھی کہ سیزئیر کو اب یہ زیادہ بہتر طریق پرمعلوم ہے کہ ان کو چاہنے والے امریکیوں کے دل و دماغ پر اُن کے کام نے گہرے اور بامعنی اثرات چھوڑے ہیں۔

۱۷/ اپریل، سنہ ۲۰۰۸ء کو، ہماری ملاقات کے اٹھانوے دن بعد، ایمے سیزئیر اپنے پُرکھوں سے جا ملے۔ سیزئیر کو زندگی میں ملنے والی آخری امریکی نہ سہی، مگر آخری امریکیوں میں سے ایک ہونے کی حیثیت سے میں اس حیرت انگیز ملاقات کو اپنے لئے بڑا اعزاز سمجھتی ہوں۔ یہ تجربہ تمام عمر مجھے دل سے عزیز رہے گا۔

***

ماخذ:

سمتھ، فیلیسا. "ایمے سیزئیر سے ایک ملاقات." کالالُو، جلد:۳۱، شمارہ:۴، سنہ۲۰۰۸ء: صفحات: ۹۸۷ تا۹۸۸۔

Smith, Phyllisa A. “A Meeting with Aimé Césaire.” *Callaloo* 31, no.4 (2008): 987–988.

Quarterly Harf-e-Neem Gufta Lahore
Email: harfeneemgufta@gmail.com
Mailing Address: 80-C Muslim Nagar Housing Society, Raiwind Road, Lahore.
Postal Code: 53700